محمد حمید اللہ

تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ برصغیر ہند و پاک کے معروف اہل علم میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے علمی انہماک، لگن اور اخلاص سے نوجوان سکالرز کے لیے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی آمد پر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور نے چند لیکچرز دینے کے لیے انہیں پیرس سے پاکستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ آئے اور اسلامیہ یونیورسٹی نے ان کے لیکچرز کو خطبات بہاول پور کے نام سے شائع کیا۔ ان میں ایک لیکچر تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ کے موضوع پر ہے، موضوع کی غیر معمولی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے خالص علمی سطح پر اس اہم مسئلے پر تقریر کی اور بتایا کہ ایک اسلامی ریاست میں بسنے والی تمام مذہبی جماعتیں اپنے اپنے عقیدہ اور مذہب پر رہ کر کس طرح امن و آشتی کی زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ اس لیکچر میں ڈاکٹر موصوف نے متعدد کلاسیکی کتابوں کے حوالے دیے تھے۔ حافظ محمد سجاد نے، جو گورنمنٹ کالج، چکوال میں لیکچرر ہیں، ان حوالوں کی تفصیل بیان کی ہے، یعنی ایک حوالے کو کتاب کے کس باب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی ایک حوالے میں وارد ایک حدیث کو ضعیف یا موضوع بتایا گیا ہے، موضوع کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ہم اس لیکچر کو المعارف میں نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو ہیں جو حقیقت میں ایک ہی پہلو کے دو جز ہیں: یعنی اسلام کی تبلیغ اور اس تبلیغ کو قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ۔ آج ہم ان کے بارے میں بات کریں گے۔ یہ برتاؤ کچھ تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا آپؐ کے ذاتی طرز عمل پر مبنی ہوگا اور کچھ ان احکام پر مبنی ہو گا جو قرآن مجید اور حدیث شریف میں پائے جاتے ہیں۔ میرے علم میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں ہے جو صرف اس موضوع پر لکھی گئی ہو۔ اس لئے میں کوشش کروں گا کہ تاریخی حیثیت سے دیکھوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا رہا اور کس طرح آپؐ اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتے رہے! پھر اس کا جو ردعمل ہوا اس سلسلے میں آپؐ کا برتاؤ کیا رہا؟ کس طرح آپؐ اس کا مقابلہ کرتے رہے اور تاریخی نقطہ نظر سے اس کے کیا نتائج نکلے؟

یہاں ہمیں ایک خاص بات نظر آئی کہ پہلے دن کی وحی میں تبلیغ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ پہلی وحی سے آپؐ سب لوگ واقف ہیں کہ وہ سورۂ اقرا کی پہلی پانچ آیتیں ہیں۔[1] جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپؐ کی امت کو یہ حکم دیا گیا۔ اس کے بعد ہمارے مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ تین سال تک ایک وقفہ رہا جس کے لئے "فترۃ" کا لفظ استعمال کیا جاتا رہا۔ اس دوران کوئی نئی وحی نہیں آئی۔[2]

لیکن دوسری وحی کے نہ آنے کے باوجود، یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ تبلیغ کا کام شروع ہو گیا۔ ان پہلی آیتوں میں صاف طور پر تبلیغ کا حکم نہ

ہونے کے باوجود عملاً اس کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔[3] میرے علم میں دسمبر کا مہینہ تھا۔ مکے میں سخت سردی پڑ رہی تھی۔ وحی کے فوراً بعد آپؐ شہر واپس آ جاتے ہیں اور اپنے مکان میں پہنچ کر اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے فرماتے ہیں: زملونی زملونی (مجھے کمبلوں سے ڈھانپو' مجھے کمبلوں سے ڈھانپو) ظاہر ہے بیوی نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ کچھ تو اس سردی کی شدت کے اثر سے اور کچھ اس وحشت کی وجہ سے جو جبرائیل کی آمد اور متعلقہ واقعات کے مشاہدے کے باعث پیدا ہوئی' آپؐ کی حالت غیر تھی۔ جب ذرا سکون ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو سارا واقعہ سنانے کے بعد آخری بات یہ کہی کہ کیا یہ شیطان کی کارستانی تو نہیں ہے؟ میں کوئی کاہن تو نہیں ہو گیا ہوں۔ حالانکہ میں ساری زندگی ان لوگوں کو' جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں' برا کہتا رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیوی' تسلی دینے کے لئے کہتی ہیں کہ:

> یقیناً ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ آپ زندگی بھر لوگوں کی مدد کرتے رہے ہیں' غریبوں' محتاجوں' بیواؤں اور یتیموں کی پرورش بھی کرتے رہے ہیں' اس لئے خدا ایسے شخص کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ یقیناً خدا آپ کو شیطان کے حوالے نہیں کرے گا۔[4]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویؓ نے ایک اور جملہ کہا کہ میرے ایک چچا زاد بھائی' جن کا نام ورقہ بن نوفل ہے' ان چیزوں سے بہت واقفیت رکھتے ہیں۔ کل صبح ہم ان کے پاس جائیں گے۔ آپ ان کو اپنا قصہ بیان کریں وہ آپ کو اچھی طرح بتا سکیں گے کہ یہ کیا چیز ہے۔ اس کے بعد دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جاتی ہیں جو عیسائی تھے۔[5] دوسری روایت کے مطابق اگلی صبح (غالباً حسب عادت) حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پاس تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو یہ واقعہ سنایا۔ یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی وہ ابوبکرؓ کو یہ واقعہ سنائیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس بھیجا۔[6]

ورقہ بن نوفل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ضعیف العمری کے باعث نابینا ہو چکے تھے۔ یہ واقعہ سن کر ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ:

> جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو یہ ناموس موسیٰ علیہ الرحمہ کے مماثل ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب آپ کی قوم آپ کے ساتھ بدسلوکی کرے گی اور آپ کو اپنے شہر سے نکال دے گی تو اس وقت میں آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کی مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کیا اس بات پر کہ میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں، لوگ مجھ پر ظلم و ستم کریں گے۔ اذیتیں دیں گے اور مجھے اس ملک سے نکال دیں گے؟ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا، ہاں، کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کو اس کی امت نے تکلیف نہ دی ہو۔

اب لفظ ناموس پر کچھ بحث کروں گا۔ عام طور پر اردو میں یہ لفظ عزت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زیر بحث سیاق و سباق میں یہ معنی نہیں لئے جا سکتے۔ ہمارے بعض مفسر یہ کہتے ہیں کہ ناموس کے معنی قابل اعتماد چیز کے ہوتے ہیں۔[8] یہ معنی بھی یہاں مناسب نظر نہیں آتے۔ میں شاید یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ جس سیاق و سباق میں یہ لفظ استعمال ہوا

ہے' وہاں ایک اور معنی مراد لینے کی ضرورت ہے۔ ورقہ بن نوفل نے عیسائیت اختیار کرلی تھی اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیثوں میں بھی ہے کہ

انہیں سریانی زبان آتی تھی اور سریانی سے عربی زبان میں انہوں نے انجیل کا ترجمہ بھی کیا تھا۔[9] ان حالات میں کیا ممکن نہیں کہ یہ سریانی زبان میں موجود ایک یونانی لفظ ہو۔ اگر اس مفروضے کی بنا پر ہم غور کریں تو فوراً اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یونانی زبان میں توریت کو "نوموس" (Nomos) ہی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپؐ پر جو پیغام نازل ہوا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے مشابہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ اس مفہوم میں زیادہ پھبتا ہے اور زیادہ مناسب و معقول لگتا ہے۔ ان ابتدائی واقعات کے بعد بجز مفروضات کے یہ کہنا مشکل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا۔

غالباً" وہ بار بار مختلف لوگوں اور پوچھنے والوں کو اپنا واقعہ سناتے رہے ہوں گے کہ جبرئیل نے مجھے یوں کہا اور مجھے یہ بتایا۔ میں ایک چھوٹی سی بات کا تکملہ کرتا چلوں۔ پہلی وحی کے سلسلے میں "بلاذری" کی "انساب الاشراف" میں کچھ تفصیلیں اور بھی ہیں۔[10] مثلاً" یہ کہ سورۂ اقراء کی پہلی پانچ آیتوں کے ابلاغ کے بعد حضرت جبرائیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً" استنجے کا پورا طریقہ بتایا کہ اپنے جسم کو نجاست سے کس طرح پاک کریں۔ اس کے بعد وضو کا طریقہ بتایا کہ نماز کے لئے کس طرح اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور سے تیار کرنا چاہیے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے امام بن کر نماز پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی بن کر اس طرح نماز پڑھی۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔

ان حالات میں سیرت کی کتابوں میں یہ روایت پڑھ کر ہمیں حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں

وقتاً" فوقتاً" کعبے کے سامنے علانیہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ نماز مکہ والوں کی عبادت سے' ظاہر ہے' مختلف تھی جس کے باعث لوگ حیرت سے انہیں دیکھتے تھے۔ ابھی تک قرآن کی وہ آیتیں نازل نہیں ہوئی تھیں جن میں بت پرستی کو برا بھلا کہا گیا تھا اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کو جہنم میں جانے کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ لوگوں کو اس نئے دین کے متعلق استعجاب ضرور ہوتا ہو گا۔ لیکن ابھی ان میں کوئی عناد یا کوئی غصہ پیدا نہیں ہوا ہو گا۔ بہرحال ان دنوں دو تین مسلمان نظر آتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ' ان کے بعد حضرت ابوبکرؓ' ان کے بعد آپؐ کے چچا زاد بھائی' جو آپؐ کے متبنیٰ بیٹے بھی تھے' یعنی حضرت علیؓ ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ۔ گویا اولین مسلمانوں کی جماعت ان پانچ سات آدمیوں پر مشتمل تھی۔[11]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسلام لانے کے بارے میں دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق چونکہ وہ بہت کم سن تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرنے لگے۔ دوسری روایت جو غالباً" کچھ عرصے بعد کی ہو گی' یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کعبے کے سامنے جا کر نہیں بلکہ شہر کے باہر صحرا میں یا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کئی مرتبہ دیکھا کہ یہ دونوں چھپ کر گھر سے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی ٹوہ میں پیچھا کرتے ہیں۔ جب دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی وہاں کھڑے رہتے ہیں۔ نماز کے اختتام پر پوچھتے ہیں' کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں تو وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔[12]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک تیسری روایت بھی ہے۔ ان اختلافی روایات کی وجہ سے یہ کہنا دشوار ہے کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے کس زمانے میں اسلام قبول کیا۔ تیسری روایت' پہلی وحی نازل ہونے کے کم از کم تین سال بعد کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ و انذر عشیرتک الاقربین[13] (اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ سے ڈراؤ) چنانچہ رسول اکرمؐ نے اس خدائی حکم کی تعمیل میں تبلیغ کا ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ بازار سے فلاں فلاں چیز خرید کر لاؤ اور بیوی سے کہا کہ ان سے ایک ضیافت کا اہتمام کرو۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا کہ خاندان کے سارے گھروں میں (چچاؤں اور چچاؤں کے بیٹوں کے پاس) جاؤ اور انہیں دعوت دو کہ فلاں دن فلاں وقت کھانے کے لئے میرے پاس آئیں۔

عام کتب سیرت میں ہے کہ پہلی مرتبہ لوگ آئے تو تھوڑی مقدار میں کھانا بہت سے (تیس چالیس) آدمیوں کو کافی ہو گیا۔ اس معجزے کو دیکھ کر ابو لہب نے استہزاء کیا کہ یہ جادوگر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت متاثر اور ملول ہوئے اور کچھ نہ بولے۔

چند دن کے بعد رسول اکرمؐ نے مکرر دعوت دی اور اس دن ان کو تبلیغ کی۔ یہ عام روایت ہے' لیکن میرا گمان ہے کہ پہلی مرتبہ چونکہ ان لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ کس غرض کے لئے بلایا گیا ہے' وہ آئے۔ لیکن سب ایک وقت میں نہیں آئے ہوں گے اور پھر آخر تک بھی سب نہیں بیٹھے ہوں گے بلکہ الگ الگ مختلف وقتوں میں آتے اور کھانا کھا کر جاتے رہے ہوں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آخری شخص کے کھانا کھا چکنے کے وقت سوائے اس آخری شخص کے کوئی اور آدمی موجود نہ تھا۔ اس لئے اصل مقصد کہ خاندان کے لوگوں میں تبلیغ کریں' پورا نہ ہوا۔ کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی تدبیر اختیار کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاندان والوں کو اطلاع دیتے

ہیں۔ اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتیاطاً" کہتے بھی جاتے ہیں کہ کھانے کے بعد میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' ٹھیرنا' انتظار کرنا' چنانچہ اب کی بار سب لوگ اس تجسّس میں بیٹھے رہے کہ دیکھیں وہ کیا بات ہے جس کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے۔ کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مخاطب ہو کر بتاتے ہیں کہ بت پرستی کیوں بری ہے؟ اللہ کو ایک ماننا کیوں ضروری ہے؟ پھر اس کے نتائج یعنی آخرت کی زندگی اور خدا کے سامنے حساب و کتاب کا ذکر کیا۔ اس طرح کی چند بنیادی باتیں لوگوں کو بتائیں۔

اس سلسلے میں طبری کی روایت بہت دلچسپ ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ اس تبلیغ کا غالباً" آخری جملہ یہ تھا کہ تم میں سے جو شخص میری دعوت کو قبول کرے گا وہ میرا جانشین اور خلیفہ ہو گا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علیؓ' جو ابھی بچے تھے' اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابو لہب قہقہہ مار کر ہنسا اور تالی بجا کر کہنے لگا۔ ابو طالب مبارک ہو۔ آج سے تم اپنے بیٹے کے ماتحت بن چکے ہو۔[14] اس سے ابو طالب کو خفت سی ہوئی۔ اس لئے وہ ساری عمر اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کریں۔ میں یہاں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ "خلیفہ" سے کیا مراد ہے۔ خاص کر اس لئے کہ امکان تھا کہ کئی لوگ اس دن مسلمان ہو جاتے اور ہر ایک خلافت کا مستحق بنتا۔ شاید حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"[15] بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اس بیان کا منشا تبلیغ کا طریقہ بتانا تھا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ حضرت علیؓ کیسے ایمان لائے یا وہ کب ایمان لائے؟ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اس وقت ہم صرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے۔ اس کچھ عرصے بعد دوسری وحی نازل ہوتی ہے جس میں یہ حکم آتا ہے کہ فاصدع بما تومر و اعرض عن

المشرکین[16] (جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے وہ کھول کر بیان کیجئے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجئے) اس حکم کے آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرح کی دہشت محسوس کرتے ہیں کہ سارا شہر بت پرست ہے۔ اگر میں یہاں کے لوگوں کو برملا یہ کہوں کہ تمہارا دین غلط ہے اور تمہارے بت تمہارے لئے حفاظت اور نجات کا باعث نہیں بن سکتے تو لوگ خفا ہوں گے' اور استہزاء بھی کریں گے۔

حضرت جبرائیلؑ نے پھر آکر تشفی دی کہ اللہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ اس پر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر ایک پہاڑی کے کسی بلند حصے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ جیسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ جو لوگ اس قبیلے کے نہیں تھے' وہ چلے گئے۔ پھر اس کی ایک شاخ کا ذکر کیا کہ میں صرف ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ غرض سارے شہر کے لوگوں کو خطاب کرنے کی بجائے اس کے ایک محدود حصے کو اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کیا۔

خطاب کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ اے بھائیو! اگر میں تم سے بیان کروں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دوسری طرف' ایک دشمن کی فوج آئی ہوئی ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات پر اعتماد کرو گے؟ ان کا جواب تھا کہ ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ اگر تم سنجیدگی سے کہتے ہو کہ واقعی کوئی دشمن اس طرف آیا ہوا ہے اور پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو ہم تمہاری بات پر یقین کریں گے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اس انسانی لشکر سے بھی بڑے ایک دوسرے لشکر سے ڈراتا ہوں' یہ اللہ کا قہر اور عذاب ہے۔ اگر تم اللہ کو ایک نہ مانو گے اور بتوں کی

پرستش نہ چھوڑو گے۔ تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا۔ اس دن اور لوگوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابو لہب بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے جل کر کہا۔ کیا اس فضول بات کے لئے تم نے ہمارا وقت ضائع کیا؟ اور وہ چلا گیا۔ دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ وہاں سے چلے گئے۔[17]

اس وقت بے محل نہ ہو گا اگر میں یہ بیان کروں کہ ابو لہب کو اپنے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت کیوں پیدا ہو گئی تھی؟ بلاذری نے انساب الاشراف میں اس کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن گھر میں دو بھائی یعنی ابو لہب اور ابو طالب کسی بات پر لڑ پڑے' اولاً ابولہب نے اپنے بھائی کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر چڑھ کر طمانچے لگائے۔ اس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' جو ان دنوں دادا کی وفات کے بعد ابو طالب کی کفالت میں تھے' دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور ابو لہب کو ابو طالب کے سینے سے دھکیل کر ہٹاتے ہیں۔ اس طرح ابو طالب کو اٹھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اب وہ ابو لہب کو زمین پر پٹخ دیتے ہیں اور اس کے سینے پر چڑھ کر اپنا بدلہ لیتے ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ چاپ دیکھتے رہتے ہیں۔ ابو لہب جل کر کہنے لگا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابوطالب بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی تیرا چچا ہوں۔ پہلے تو نے ابو طالب کی مدد کی لیکن اب میری مدد کے لئے کیوں نہیں آیا؟ خدا کی قسم میرا دل تجھ سے کبھی محبت نہیں کرے گا"[18] بلاذری کی "انساب الاشراف" میں یہ ایک چھوٹا سا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ نفسیاتی اصول ہے کہ جو لوگ جتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں' اتنا ہی وہ چھوٹی سی چیز کا زیادہ اثر لیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر دیرپا اثر رہتا بلکہ روز افزوں ہوتا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہی وجہ ہو جس کی بنا پر ابو لہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت ہو گئی اور کبھی اپنے بھتیجے کے دین پر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ اسے اسلام کے انتہائی شدید دشمنوں سے ایک قرار دے دیا گیا۔

ان ابتدائی کوششوں کے بعد یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین غلط اور لغو ہے۔ جن چیزوں کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کے خلاف نفرت شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔ اور جلد ہی وہ نوبت آگئی کہ شہر کی حکومت اور سربرآوردہ لوگوں نے بھی انہیں اس بات سے منع کر دیا کہ خانہ کعبہ کے سامنے آکر اپنے طرز کی عبادت کریں۔ اس کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اپنے مکان میں نماز پڑھتے یا گھر سے باہر کسی جنگل یا صحرا میں عبادت کیا کرتے۔ لیکن کافروں کی چھیڑ خانی میں کمی نہیں آئی۔ لوگ آپؐ کے پاس آتے' آپ سے بحث کرتے' آپؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے۔ ان میں آپؐ کا چچا ابو لہب پیش پیش رہتا۔ اسے پتا چلا کہ جب سب لوگ سو جاتے ہیں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپتے چھپاتے خانہ کعبہ کے سامنے آتے ہیں اور وہاں اپنے طرز کی عبادت یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ آپؐ کی گذرگاہ میں خار دار درختوں کی شاخیں لا کر ڈال دیتا اور مکان کی دہلیز پر گندگی اور غلاظت لا کر ڈالا کرتا تھا۔ یہ وہ رکاوٹیں تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے میں دشواری ہوتی رہی۔ لیکن آپؐ نے ہمت نہیں ہاری اور تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ پھر ایک نئی شکل سے آپؐ کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ یہ کہ مکے کے باشندے وقتاً" فوقتاً" گلی کے لونڈوں کو ترغیب دلاتے تھے کہ وہ رسول اللہ کے پیچھے پیچھے جائیں۔ ان پر پتھر پھینکیں اور انہیں یہاں سے نکالیں۔ جب کبھی ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدتمیز لڑکے پیچھا کرتے تو مقریزی نے بیان کیا ہے کہ ایسے وقت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اتفاق سے ابو سفیان کے مکان کے قریب ہوتے تو ابو سفیان کے گھر میں چلے جاتے اور ابو سفیان مسلمان نہ ہونے کے باوجود اس قدر شرافت اور انسانیت کا

مظاہرہ کرتا کہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا اور گلی کے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیتا۔ اس کے جانے کے بعد رسول اللہ اطمینان سے اپنے گھر جاتے۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد مقریزی نے ایک بہت بعد کے واقعے کی طرف چھوٹا سا اشارہ کیا ہے:

> جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو فتح کرتے ہیں تو ہمارے مئولف لکھتے ہیں کہ فوج کے ہراول دستے یا مقدمتہ الجیش میں ایک منادی کرنے والا تھا' جو گلیوں سے گذرتے وقت با آواز بلند' کہتا جاتا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں رہے گا۔ جو شخص اپنے گھر کے اندر بند رہے' باہر نہ نکلے' امن میں رہے گا۔ جو حرم کعبہ میں چلا جائے گا وہ امن میں رہے گا۔ اور آخری چیز جس کی طرف اس وقت توجہ دلانا مقصود ہے' وہ یہ کہ جو شخص ابو سفیان کے مکان میں جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔[19]

مقریزی کہتے ہیں کہ یہ امتیاز اور خصوصیت اس واقعے کی بنا پر تھی کہ زمانہ قبل ہجرت جب کبھی مکے کے شریر بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے اور آپؐ ابو سفیان کے گھر جاتے تو ابو سفیان آپؐ کو پناہ دیتا تھا۔ لہٰذا اس کے بدلے میں ابو سفیان کے گھر کو بھی پناہ گاہ قرار دے دیا گیا۔

اس تبلیغ کا سلسلہ کوئی چار پانچ سال جاری رہا۔ اس عرصے میں کفار کے ظلم و ستم اور اذیتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ انہیں اپنے ملک میں رہنا دشوار ہو گیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کچھ لوگ حبشہ چلے گئے۔ رخصت ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ وہاں ایک عیسائی بادشاہی نجاشی حکومت کرتا ہے' جس کے ملک میں کوئی ظلم نہیں ہوتا۔ وہ لوگ حبشہ پہنچ گئے۔ اب چونکہ

تبلیغ کی آزادی تھی۔ اس لئے یہ مسلمان (مکے کے نو مسلم مہاجر) حبشہ میں تبلیغ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں وہاں کافی تعداد میں یعنی کم از کم چالیس پچاس حبشی مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس سلسلے میں انہیں دشواریاں بھی پیش آئیں۔ جب مکے کے نو مسلم ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے' تو مکے کے مشرکوں نے نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا۔ اس وفد نے جا کر یہ مطالبہ کیا کہ ان مسلمانوں کو ہمارے سپرد کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں واپس لے جا کر پھر تکلیفیں دیں اور ستائیں۔ نجاشی نے صرف مطالبے کی بنا پر فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ تم لوگوں کے متعلق الزام ہے کہ تم اپنے شہر میں فتنہ و فساد کرتے رہے ہو اور وہاں کی سزا سے بچنے کے لئے یہاں آ کر پناہ گزیں ہو گئے ہو' تم لوگوں کا کیا جواب ہے؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جعفر طیار جواب دیتے ہیں۔ قبل اس کے کہ میں اس جواب کا ذکر کروں' ایک ذاتی استنباط آپؐ سے بیان کرتا ہوں۔ جس کا ذکر ہمیں تاریخ میں نہیں ملتا۔ رسول اللہ کے مکتوبات میں نجاشی کے نام ایک مکتوب ہمیں ایسا بھی ملتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ:

> "میں اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں جب وہ پہنچے تو اس کی اور اس کے ساتھیوں کی مہمان داری کرنا' ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس بارے میں کوئی ہٹ دھرمی اختیار نہ کریں۔"[۲۰]

طبری میں یہ خط موجود ہے' جسے وہ ۷ ہجری کے حالات میں درج کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ خط جعفر طیار کو بطور تعارف دیا گیا ہو۔ خط لے کر گئے ہوں اور نجاشی کو ۵ نبوی میں دیا ہو۔ کیونکہ ۷ ہجری میں مسلمان مہاجرین حبشہ میں پندرہ سال گذار کر مدینہ واپس جا رہے تھے۔ واپسی کے وقت پناہ طلبی کے لئے تعارفی خط بھیجنا فضول سی بات نظر

آئے گی۔ اس لئے مورخوں کے سکوت کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ مہاجرین مکہ کی اولین جماعت جس وقت حبشہ گئی ہوگی' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعارفی خط دیا ہو گا۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ سہیلی کے مطابق یہ نجاشی ایک زمانے میں اپنے ظالم چچا کی وجہ سے عرب میں سکونت پذیر ہونے پر مجبور ہوا۔ اور مقام بدر میں رہتا تھا۔[21] بدر وہ مقام ہے جہاں قریشی کاروان شام کو جانے اور وہاں سے واپس آنے کے وقت منزل کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعثت سے قبل' کسی سفر میں اس سے شخصی تعارف حاصل ہوا ہو' بہرحال مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور مسلمان ہو جانے والے لوگ بھی جہاں جہاں جاتے' اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق اپنے نئے دین کی تبلیغ شروع کر دیتے۔ جس سے متاثر ہو کر لوگ ایمان لے آتے' چنانچہ جعفر طیارؓ کو جب نجاشی کے سامنے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ملا تو انہوں نے تفصیل سے بتایا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ یہ لوگ ہم پر کیوں الزام لگاتے ہیں۔ کہ ہم فتنہ و فساد کرتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں بالخصوص سورۂ مریم کی' جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے بغیر باپ کے حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ہمارے مورخوں کا بیان ہے کہ یہ تفصیل سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ ان آیتوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اتنے (اس تنکے کے برابر) بھی زیادہ نہیں تھے۔[22]

ہمیں مزید تفصیل نہیں ملتی کہ آیا نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن کچھ اشارے ایسے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ اگر اس وقت نہیں تو بعد میں نجاشی ضرور مسلمان ہو گیا تھا۔ کیونکہ بخاری کی ایک روایت کے مطابق' جس دن نجاشی کی وفات کی مدینے میں خبر آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی دن اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ [۲۳] ظاہر ہے رسول اللہ کسی غیر مسلم کے لئے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اس لئے یہ گمان کرنا چاہیے کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھجوائی تھی۔

تبلیغ کے سلسلے میں یہ چند ابتدائی باتیں ہمیں ملتی ہیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی مشکل تر حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ جب حبشہ بھیجی ہوئی مشرکین مکہ کی جماعت اپنے مقصد یعنی مسلمان مہاجرین حبشہ کو واپس مکہ لانے میں ناکام ہوئی تو وہ لوگ مکہ میں بسنے والے مسلمانوں کو زیادہ سختی سے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے لگے۔ اور باتوں کے علاوہ انہوں نے ایک قرار داد منظور کی کہ رسول اللہ اور آپؐ کے خاندان کے دوسرے لوگوں سے نہ کوئی شخص شادی بیاہ کے تعلقات رکھے' نہ ان کو بیٹی دے اور نہ ان سے رشتہ لے' نیز یہ بھی کہ نہ کوئی تجارتی چیز انہیں فروخت کرے' اور نہ ان کی دکان سے کوئی چیز خریدے' حتیٰ کہ ان سے بات چیت بھی نہ کرے' یہ قرار داد انہوں نے لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دی اور یہ عہد کیا کہ ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ یہ بائیکاٹ کئی سال تک جاری رہا۔ اس کے نتیجے میں متعدد مسلمان فاقہ کشی سے شہید بھی ہوئے۔ بہت سے مسلمانوں نے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائیں کہ انہیں یاد کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بالاخر وہ بائیکاٹ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل میں' میں نہیں جانا چاہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر واپس آتے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر اب شہر کے باشندوں سے بات چیت بھی ناممکن سی ہو گئی ہے اور لوگ اسلام کا نام سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں تو سوچنے لگتے ہیں کہ کیا کریں؟ اس زمانے میں چچا ابو طالب کی وفات ہو گئی۔ اور نہ معلوم کس طرح دوسرا چچا ابو لہب قبیلے کا

سردار بنا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ حضور اکرمؐ کو خلع (یعنی جات باہر کر دیا' یعنی جو چاہے آپؐ کو شہید کر ڈالے' قبیلہ انتقام کی کوشش نہ کرے گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجبور ہوتے ہیں کہ شہر چھوڑ دیں اور کسی اور جگہ جاکر تبلیغ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر طائف کا انتخاب کرتے ہیں۔

ہمارے مورخوں نے لکھا ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ گویا ماموؤں کا علاقہ تھا۔ آپؐ بہت پر امید ہو کر گئے۔ لیکن وہاں مکے سے زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ماموؤں نے آپؐ کی حوصلہ شکنی کی اور دھمکی دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شہر چھوڑ کر چلے جائیں ورنہ آپؐ کی جان کی خیر نہیں۔ مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے تو ان لوگوں نے گلی کے شریر لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو جاتے ہیں۔ شہر سے باہر آکر ایک باغ دیکھتے ہیں۔ جس کے دروازے پر ایک دربان کھڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت سے باغ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ دربان ایک نیک دل عیسائی تھا۔ اس نے ان شریر لڑکوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور اپنے مالک کی اجازت سے' جو مکے کا رہنے والا تھا اور اس وقت باغ میں موجود تھا' اس بے بس مہمان کی میزبانی کرنے لگا۔ انگور کا ایک خوشہ توڑ کر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا۔ اس وقت ایک واقعہ پیش آیا جسے شاید تبلیغ کا بالواسطہ طریقہ کہا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللہ" کہہ کر انگور کے دانوں کو کھانا شروع کیا۔ باغ کا مالی یا دربان حیرت سے پوچھنے لگا کہ تمہارے ملک میں تو ایسا نہیں ہوتا یہ کیا طریقہ ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ میں نبیؐ ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جو کام کروں' اللہ کا نام لے کر شروع کروں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربان سے پوچھا تم کون

ہو؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں۔ میرا وطن نینوئی کا شہر ہے (اسے آج کل موصل کہتے ہیں) ایسی مصیبت آئی کہ اب غلام کی صورت میں یہاں کام کر رہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس شہر کے باشندے ہو جہاں میرا بھائی یونس علیہ السلام رہا کرتا تھا۔ اس پر وہ عیسائی بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہاں یونس علیہ السلام نبی رہا کرتے تھے۔ کچھ اس طرح کی گفتگو ہوئی۔[۲۴] اس کے بعد آپؐ وہاں سے رخصت ہو کر مکے کی طرف لوٹے۔ تھوڑی دور جا کر آپؐ تھک کر ٹھہر جاتے ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ آپؐ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نماز کے بعد دکھے ہوئے دل سے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہیں۔ جو آج بھی ہم پڑھیں تو دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کے الفاظ کم و بیش اس طرح ہیں:

> "اے اللہ! اپنی کمزوری اور بے بسی کی تجھی سے فریاد کرتا ہوں۔ لوگ مجھے حقیر پاتے ہیں۔ مصیبت زدوں کا رب تو ہی ہے۔ اے میرے رب! کیا کروں، دور کے رشتہ دار درشتی سے پیش آ رہے ہیں، قریبی رشتہ دار دشمن بن گئے ہیں۔ اس سب کے باوجود، اگر تو مجھ سے خفا نہیں ہے تو مجھے ان تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن تیری طرف سے عافیت مل سکے تو وہ زیادہ خوشگوار ہو۔ میں پناہ صرف اس بات سے چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔ میں تیری اور صرف تیری خوشنودی کا طالب ہوں۔ کسی بھی کام کی کوئی قوت، کوئی طاقت مل سکتی ہے تو وہ بس تجھی سے۔"[۲۵]

مختصر یہ کہ فرماتے ہیں۔ میں ان ساری مشکلوں، تکلیفوں اور مصیبتوں

کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور عازم ہوں کہ اپنے فریضہ کی انجام دہی کو جاری رکھوں۔

یہ امتحان الٰہی تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں حضورؐ کس شان سے کامیاب ہوتے ہیں۔ "خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔" ابھی نماز اور دعا سے فارغ ہی ہوتے ہیں کہ قبولیت کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اہم واقعہ پیش آیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لئے خدا نے ایک سورت نازل کی جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ:

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن[۲۶]
(آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ جنوں کا ایک گروہ مجھے سن رہا ہے۔)

اس سے تو میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور نہ ہی ان کے وجود کو محسوس کیا۔ جب تک خدا نے اطلاع نہیں دی آپؐ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے لئے نبی نہ رہے' جنات کے بھی نبی بن گئے۔ اگر انسان آپؐ کی نبوت سے انکار کرتے ہیں تو کم از کم جنات کا ایک گروہ تو اسلام قبول کر رہا ہے۔ یہ روشنی کی پہلی کرن تھی' جو اس تاریکی اور مایوسی کے عالم میں آپؐ کو دکھائی دیتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ پیدل مکہ واپس جاتے ہیں۔ یہاں ایک نئی مشکل آپؐ کا انتظار کر رہی تھی' وہ یہ کہ چچا کے معاندانہ طرز عمل اور شہر مکہ کو چھوڑنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی قومیت ختم ہو گئی تھی۔ آپؐ اس وقت تک شہر مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے جب تک شہر مکہ کا کوئی باشندہ آپؐ کو پناہ نہ دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

بدوی شخص کو کچھ رقم دے کر بھیجتے ہیں کہ میری ماں کے فلاں رشتہ دار سے جا کر کہو کہ وہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ وہ جاتا ہے مگر واپس آ کر کہتا ہے کہ اس شخص نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ میں اہل مکہ میں سے نہیں۔ طائف والوں' اس لئے مکہ والوں کو اپنی پناہ دہی کا پابند نہیں کر سکتا۔ پھر اسی بدوی کو کچھ اور انعام دے کر ایک اور شخص کے پاس بھیجتے ہیں جو آپؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا رشتہ دار ہے۔ وہ قبول کر لیتا ہے اور اپنے بچوں اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہتھیار بند ہو کر آتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے کر مکے میں داخل ہوتا ہے۔ حسب رسم اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ کعبے کا طواف کریں اور پھر گھر جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ علی الاعلان کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے گھر جاتے ہیں۔

یہاں میں یہ بیان کرتا چلوں کہ طائف کے اس سفر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بڑے حامی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ آپؐ کے چچا (حضرت) ابو طالب اور آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ اس افسردگی کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر چھوڑ کر طائف گئے تھے۔ اس شہر مکہ میں چچا ابو لہب کی دشمنی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اجنبیوں کی سی تھی۔ جو مقامی باشندوں میں ایک کی پناہ میں رہتے تھے۔ جس سے میں یہ معنی اخذ کرتا ہوں کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں آزادی نہیں تھی کہ سیاست میں حصہ لیں' یعنی تبلیغ دین کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ وہ یہ کہ شہر مکہ کے رواج کے تحت لوگوں کو ہر سال حج کے زمانے میں ایک طرح کا امن عام مل جاتا تھا۔ چنانچہ جو لوگ مجرم اور قاتل ہوتے تھے اور سارا سال چھپے رہتے تھے' وہ بھی حرام مہینے میں یعنی حج کے زمانے میں' کھلم کھلا باہر نکل سکتے

تھے۔ اور آ جا سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ شہر مکہ کے لوگ تو اسلام کے دشمن ہیں۔ ممکن ہے بیرونی قبائل یعنی غیر علاقوں سے آنے والے حاجی اسلام قبول کرلیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ حج کے زمانے میں باہر سے آنے والے قبائل میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ کافی جدوجہد کے بعد اس میں کچھ کامیابی ہوئی۔

"ابن ہشام" کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم پندرہ قبائل میں گئے۔ ہر ایک کو مخاطب کرکے یہ کہتے رہے کہ:

"تم اسلام قبول کرو (جس کی خصوصیات یہ ہیں) تو جلدی ہی قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں پر نثار ہو جائیں گے۔"[۲۸]

مگر کسی نے قبول نہیں کیا۔ سوائے آخری سولھویں گھر کے، جس میں صرف انصار کے چھ آدمی تھے۔ وہ یہ سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ گویا آنکھوں آنکھوں میں مشورہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم سب اسلام قبول کرتے ہیں۔ یہ پہلی بیعت عقبہ ہے۔

بات یہ تھی کہ شہر مدینہ میں بہت سے یہودی بستے تھے اور ہمارے مورخ بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی عربوں اور یہودیوں کا مدینے میں جھگڑا ہوتا تھا، تو یہودی ان سے کہتے تھے۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ آج تو تم ہمیں مار رہے ہو، لیکن جلد ہی آخری نبی آنے والا ہے۔ جب وہ آئے گا تو ہم اس کی اتباع کرکے تم کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں گے۔ تمہارے بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد سب کو قتل کر دیں گے۔ ان مدینے والوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعی آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کیوں نہ یہودیوں سے بھی پہلے اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھوں کے اشارے سے گفتگو کرتے ہیں۔ پھر سب لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔[۲۹]

ان کا اسلام مخلصانہ تھا۔ چنانچہ مدینے پہنچ کر وہ سب لوگ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہوتی ہے۔ ایک سال بعد امن کے زمانے میں، یعنی حج کے مہینے میں، مدینے سے بارہ نئے آدمی مکے آتے ہیں۔ اور بمقام عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس بیعت کے بعد ہمیں چند واقعات ایسے نظر آتے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں۔[۳۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ آدمیوں کو، جو بارہ مختلف قبیلوں کے نمائندے تھے، اپنی طرف سے ان قبیلوں میں نقیب یا سردار مامور کیا۔ اور انہی میں سے ایک کو "نقیب النقباء۔"[۳۱] اس میں ایک طرف تو ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں تنظیم پسندی تھی اور مسلمانوں میں ایک مرکزی نظام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نامزد کرتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ آپؐ کے ماتحت تھے۔ جو کسی کو نامزد کرتا ہے، وہ اس کو معزول بھی کر سکتا ہے۔ اس نامزدگی کے بعد وہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلم دیجئے جو اسلام سے ہمارے مقابلے میں زیادہ واقف ہو اور مدینے میں ہمیں دین بھی سکھائے۔ اور تبلیغ بھی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ جو بہت ہی مخلص مسلمان تھے اور نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔ ان میں لوگوں کو اسلام پر آمادہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ انہیں بہت ہی شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ بیسیوں لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ انتہائی اجڈ لوگ بھی اسلام قبول کرنے لگے۔

اس بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک دن حضرت مصعبؓ نے ایک باغ میں جا کر وہاں کے لونڈی، غلاموں اور بچوں کے سامنے تبلیغ شروع کی۔ مالک کو یہ تماشا برا لگا۔ اس نے ایک آدمی کو بھیجا کہ اس کو

ڈانٹ کر نکال دو کہ ہمارے باغ میں اس طرح بلا اجازت آ کر کیوں فساد کر رہا ہے؟ وہ شخص پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے بہانہ کیا اور واپس جا کر مالک کو بتایا کہ میں نے اسے بہت ڈانٹا مگر وہ نہیں مانتا' تم خود جا کر اسے نکالو۔ اصل میں اس کا منشا یہ تھا کہ یہ مالک بھی اسلام کی باتیں سنے اور اس شخص کی زبان سے سنے۔ جو اپنی جادو بیانی اور طلاقت لسانی سے ہر شخص کو اسلام کو گرویدہ بنا لیتا ہے۔ چنانچہ وہ سردار بڑے طنطنے سے نیزہ ہلاتا ہوا آیا اور دھمکی دی کہ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ گھبرانے کے بجائے مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ معلوم کیے بغیر کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ تم مجھے یہاں سے کیوں نکالنا چاہتے ہو؟ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ تم پہلے سن لو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے' تم کہو گے تو میں چلا جاؤں گا۔ وہ اجڈ شخص اپنے نیزے کو زمین میں گاڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ انہوں نے حسب عادت قرآن مجید کی ایک سورہ کی تلاوت کی۔ تلاوت شروع ہوتے ہی اس کو سکون آ گیا۔ چہرے پر خشونت سکون اور ایک نئے شعور کی روشنی پھیل گئی۔ پھر قبل اس کے کہ سورہ کی تلاوت ختم ہوتی۔ وہ شخص اٹھا اور پوچھنے لگا کہ مجھے مسلمان ہونے کا طریقہ بتاؤ۔ چنانچہ وہ فوراً" کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی عادت کے مطابق سابقہ اجڈ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے زور سے نیزہ ہلاتے ہوئے اپنے گھر کے اندر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ۔ سب میرے پاس آؤ۔ چنانچہ عورتیں' بچے اور غلام سب بھاگ کر اس کے پاس آتے ہیں۔ اس نے سب سے پوچھا کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم میں سب سے زیادہ عقل مند ہیں۔ تب اس نے کہا میرا حکم ہے کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ تم مجھ سے زیادہ کسی کو اپنا دشمن نہ پاؤ گے۔ اس طرح پورا خاندان

مسلمان ہو جاتا ہے۔ جب سردار مسلمان ہو تو ظاہر ہے کہ سردار کے ماتحت لوگوں کا مسلمان ہو جانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمیں اسلام پھیلنے کے یہ مختلف طریقے نظر آتے ہیں۔ یہ ان میں سے ایک تھا۔ ۳۲

یہ چیزیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری زمانے تک ملتی ہیں۔ دو ایک مثالیں اور دے کر میں اس بیان کو ختم کروں گا۔

"ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں ایک اجنبی مہمان آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھانے کو بھی دیتے ہیں۔ اور رات گذارنے کے لئے کمرہ بھی دیتے ہیں۔ وہ شخص بدنیتی اور دشمنی کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ علی الصبح کمرے میں بستر پر غلاظت کرکے، قبل اس کے کہ لوگ بیدار ہوں، اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے اور غلاظت دیکھی تو اس کو اپنے دست مبارک سے دھویا۔ بستر کو پاک و صاف کیا۔ پھر دیکھا کہ وہ شخص جاتے ہوئے اپنی تلوار وہیں بھول گیا ہے۔ کچھ دور جا کر اس اجنبی کو بھی تلوار یاد آئی۔ اور آہستہ آہستہ واپس آیا کہ ابھی لوگ سو رہے ہوں گے۔ میں تلوار لے کر پھر واپس چلا جاؤں گا۔ مگر اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اس کے بستر کو صاف کر رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ڈانٹیں یا دھمکائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ تم اپنی تلوار بھول گئے تھے۔ یہ تلوار رکھی ہے۔ لے لو۔ اس سلوک کے نتیجے میں وہ بے ساختہ پکار اٹھتا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔" ۳۳

ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ ایک جنگ کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے ہیں۔ فوج کی آمد کی خبر سن کر دشمن بھاگ جاتا ہے۔ دور تو نہیں بھاگتا۔ کیونکہ پہاڑی علاقہ تھا۔ پہاڑ پر چڑھ کر کسی درے یا

وادی میں چلا جاتا ہے۔ اس دشمن قبیلے کا سردار پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے دور تاکتا رہتا ہے۔ کہ یہ فوج کیا کرتی ہے۔ اس دن بارش ہوئی۔ چنانچہ بارش کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ تر بتر ہو گئے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ اور اپنا کرتہ درخت کی شاخ سے لٹکا دیا تاکہ وہ خشک ہو جائے۔ دشمن جو اوپر سے تاک رہا تھا' دیکھتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا سوئے ہوئے ہیں۔ آتا ہے اور تلوار کھینچ کر چلا کر کہتا ہے:

"اے محمد! تمہیں اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی سکون کے ساتھ کہتے ہیں۔ "اللہ" اس جواب سے اس پر اتنا رعب ہوا کہ ہاتھ میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ تلوار کو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اٹھا کر کہتے ہیں۔ "اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ وہ کہتا ہے' کوئی نہیں۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی تلوار واپس کرتے ہیں کہ جاؤ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ وہ اس مرحمت پر اس قدر متاثر ہوا وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب میں اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کروں گا۔[۳۴]

اسی طرح فتح مکہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عام معافی کا اعلان کرتے ہیں تو اس کے ردعمل کے طور پر لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے ہیں۔ اور راتوں رات سارا مکہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ یہ تھے وہ طریقے جو تبلیغ اسلام کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائے۔ اور نتیجہ ہمیں واضح نظر آتا ہے۔

اس سے پہلے انبیاء کی زندگی میں ان کے ہاتھوں پر ایمان قبول کرنے والوں کی تعداد کا ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے مقابلہ کریں تو یہاں بھی آپؐ کو غیر معمولی فوقیت نظر آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

متعلق انجیل میں جو تفصیلات ملتی ہیں' ان سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس چالیس آدمی ایمان لائے ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی قوم بنی اسرائیل کے لوگ جن کی تعداد بائبل کے مطابق پانچ لاکھ تھی' ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ لیکن ایک خودغرضی کے تحت تاکہ فرعون کے ظلم سے نجات پائیں۔ سچے دل سے ایمان لانے والوں کی تعداد تقریباً" صفر تھی۔ کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکلنے کے بعد ایک دن ان سے مخاطب ہو کر کہا خدا نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں فلسطین کا ملک دے گا۔ آگے بڑھو اور اس ملک پر قبضہ کر لو۔ تو انہوں نے کہا۔ ان جباروں سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تمہارے خدا نے وعدہ کیا ہے تو' تم اور تمہارا خدا دونوں (فلسطین پر قبضہ کرنے) جاؤ ہم تو یہیں بیٹھے رہتے ہیں۔[۳۵] دوسرے الفاظ میں ساری قوم نافرمان ہو جاتی ہے۔ آپ کی بات قبول کرنے اور ایمان لانے سے انکار کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ صرف دو آدمی تھے۔ جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور دوسرے آپ کے خادم حضرت یوشع' جو بعد میں نبی بنے۔ ان دونوں کے سوا سارے بنی اسرائیل میں سے کسی نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ (۱۲) بہت ہی مخلص حواری تھے۔ ان میں سے سینٹ پیٹر کا آپ نے نام سنا ہو گا' جن کی قبر (ویٹی کان) اٹلی میں ہے' ان کے متعلق انجیل ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے

"جاؤ شیطان۔"[۳۶] ان کی حرکت یا طرز عمل کی بنا پر کہا ہو گا۔ تفصیلات مجھے معلوم نہیں۔ ایک اور حواری یہودا تھا۔ جس کے متعلق تو صراحت ملتی ہے کہ اس نے ارتداد اختیار کیا۔ پولیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (شاید روپوش) ہو گئے تھے۔ تو اس

ساتھی نے جو مرتد ہو گیا تھا۔ پولیس کی مخبری کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرا دیا۔[۳۷] اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ صحیح اعداد و شمار تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ لیکن ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے ان کی تعداد کا ایک حد تک تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔

حجتہ الوداع کے متعلق جو وفات سے تین مہینے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہمارے مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس وقت میدان عرفات میں ایک لاکھ چالیس ہزار (۱۴۰،۰۰۰) آدمی جمع ہو گئے تھے۔[۳۸] اسلام میں حج کوئی ایسا فریضہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو ہر سال ادا کرنا پڑے۔ ظاہر ہے کہ جتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے، سب کے سب وہاں اس سال حج کے لئے نہیں آئے ہوں گے۔ کچھ لوگ گھروں میں رہے۔ کچھ لوگ آئے۔ اگر بالفرض ہر پانچ میں سے ایک شخص آیا ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب مسلمانوں کی تعداد کم و بیش پانچ چھ لاکھ ہو گی۔ کہاں تیس چالیس آدمی، کہاں لاکھوں کی تعداد۔ ہمیں اسلام کی تاریخ میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد شاذ و نادر ہی کسی نے ارتداد کیا ہو۔ عہد نبویؐ میں ارتداد کی ایک آدھ مثال ہمیں نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد نہیں ہوئے بلکہ وہ منافق تھے۔ منافقانہ طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ اور اسلام کو اندر سے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ لیکن جب ان کی ایک نہ چلی تو بھاگ نکلے۔ اور پھر اپنے کفر کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ غرض یہ چند خاص باتیں ہیں جو تبلیغ کے سلسلے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں کے متعلق اسلام کا برتاؤ کیا ہے؟ مختصراً بیان کرتا ہوں۔ اس آیت سے آپ میں سے ہر شخص واقف ہو گا۔ لا اکراہ فی الدین[۳۹] ان علیک الا البلاغ[۴۰] یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے جبر کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ پیغمبر کا فریضہ صرف ابلاغ و تبلیغ ہے۔ اس

کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو جبر کے ساتھ کبھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ قرآن مجید میں یہ عجیب و غریب اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خودمختاری دی جائے۔ حتیٰ کہ نہ صرف عقائد کی آزادی ہو اور اپنی عبادات وہ اپنی طرز پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون' اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کرائیں۔ کامل داخلی خودمختاری کا قرآن کی کئی آیتوں میں ذکر ہے۔ جن میں سے ایک آیت بہت واضح ہے:

ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللّٰہ فیہ[41]

"یعنی انجیل والوں کو چاہیے کہ اس چیز کے مطابق احکام دیا کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے۔"

ان احکام کے تحت عہد نبویؐ ہی میں قومی خود مختاری ساری آبادی کے ہر ہر گروہ کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین' عبادات' قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے۔ اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی کامل آزادی تھی۔

اس کے کچھ عرصے بعد ایک نیا واقعہ پیش آتا ہے۔

مسلمانوں پر جنگ فرض کی جاتی ہے اور غیر مسلم رعایا کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر مسلمان دین کی خاطر جنگ کریں تو غیر مسلموں کو اسلام کی خاطر جنگ لڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ مسلمان جنگ کر کے اسلامی مملکت' ریاست اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ جس کے باعث وہاں رہنے والی غیر مسلم رعایا امن و امان سے متمتع ہوتی ہے۔ جبکہ مسلمان اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سر کٹاتا ہے۔ لہٰذا فوجی ضروریات کے تحت غیر مسلم رعایا پر ایک ٹیکس عائد کیا جاتا ہے' جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ جزیہ اسلام کی

ایجاد نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے ایران وغیرہ میں بھی جو لوگ فوجی خدمات انجام نہیں دیتے تھے' ان کو ایک ٹیکس دے کر' جو سال میں دس دن کی غذا کے مترادف تھا' اسلامی سلطنت کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی خدمات سے مستفید ہوتے رہتے اور جس وقت مسمان اپنا سر کٹاتے' یہ اپنی تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے دولت کماتے۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز غیر مسلموں کے متعلق ہمیں نظر آتی ہے کہ محض دین کی بنا پر ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۲ھ میں جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو مکے والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں جو مسلمان مہاجرین مقیم ہیں' ان کو نئے نجاشی سے کسی طرح واپس حاصل کر لیں۔ اور ان کو تکالیف دیں۔ جب اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو مورخوں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری' کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کریں اور ان کی حفاظت کے لئے حکمران کو آمادہ کرے۔ حالانکہ عمرو بن امیہ الضمری اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[۴۲] ہمیں اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے میں یہودی رہتے تھے۔ اگر ان کے یہاں کوئی بچہ بھی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کی عیادت کے لئے اس کے گھر جایا کرتے۔[۴۳]

بنی عریض نامی ایک یہودی قبیلہ مدینہ میں رہتا تھا۔ اس کی کسی بات سے خوش ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کچھ سالانہ معاش مقرر فرمائی۔ یہ مختلف چیزیں ہیں جو غیر مسلموں سے برتاؤ سلسلے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔

ایک اور چیز کہ مسمان کا ہی نہیں یہودیوں کا جنازہ بھی شہر کی گلیوں سے گزرتا اور اتفاق سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کسی جگہ بیٹھے

ہوتے تو جنازے کو دیکھ کر آپؐ کھڑے ہو جاتے تاکہ ان کے ساتھ ایک طرح سے ہمدردی کا مظاہرہ کریں۔[۴۴] غرض مسلمانوں کا طرز عمل غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس قدر رواداری کا تھا کہ اس کی نظیر ہمیں تاریخ عالم میں کم ملتی ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا' اس کی طرف اشارہ کرکے میں اسے ختم کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں خانہ جنگی ہوئی۔ پھر اس کے بعد بارہا خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ کسی بھی مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے زمانے میں غیر مسلم رعایا نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ وہ نہ اس فریق کا ساتھ دیتے' نہ اس فریق کا ساتھ دیتے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمان حکومت سے غداری یا بغاوت کا خیال انہیں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب قیصر روم نے پیغام بھیجے اور اسلامی ممالک کی عیسائی رعایا سے کہا کہ موقع ہے کہ تم بغاوت کرو۔ میں بھی اس وقت مسلمانوں پر حملہ کروں گا اور ان مشترکہ دشمنوں سے ہم نجات پائیں گے۔ اس ابتدائی زمانے میں لے کر کروسیڈز (صلیبی جنگوں) تک جب کبھی ایسے مطالبے کسی پوپ نے یا کسی عیسائی حکمران نے کئے' تو مسلمانوں کی عیسائی رعایا کا جواب یہ ہوتا تھا کہ ہم ان کافر حکمرانوں (مسلمانوں) کو تم جیسے ہم مذہب حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان کبھی غیر مسلموں پر اسلام لانے کے لئے جبر نہیں کرتے تھے اور ان کو مذہبی و قومی معاملات میں پوری آزادی و خودمختاری دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے مذہبی اداروں کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی ایک معتبر شہادت موجود ہے۔ جس کی اصل دستاویز بھی آج تک محفوظ ہے۔ ایک عیسائی اپنے بعض ہم مذہبوں کو جو دوسرے شہر کے تھے' یہ خوش خبری پہنچاتا ہے کہ آج کل ایک نئی قوم ہماری حاکم بن گئی ہے۔ لیکن

وہ ہم پر ظلم نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف وہ ہمارے گرجاؤں اور ہمارے راہب خانوں (Convents) کی مالی مدد کرتی ہے۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

حواشی و حوالہ جات

۱۔ العلق ' ۹۶: ۱ تا ۵

۲۔ نزول وحی کتنے دنوں کے لئے رہی؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک پانچ سال' اور بعض کے نزدیک تین سال تک اور بعض مورخین یہ مدت ڈھائی سال قرار دیتے ہیں اور صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ کی ایک روایت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندش صرف چند دنوں کے لئے تھی۔
صحیح بخاری' کتاب التفسیر' باب والرجز فاہجر' جلد ۲' ص ۷۳۳

۳۔ صحیح بخاری' باب کیف کان بدء الوحی

۴۔ صحیح بخاری' باب کیف کان بد الوحی۔ نیز دیکھئے :
کتاب التفسیر' اور تعبیر الرویاء' جہاں الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔

۵۔ ایضاً

۶۔ البیہقی' ابی بکر احمد بن حسین : دلائل النبوۃ' (تحقیق دکتور عبدالمعلی) دار الکتب العلمیہ' بیروت س'ن' جلد ۲' ص ۱۵۸۔

۷۔ صحیح بخاری' باب کیف کان بدء الوحی

۸۔ ڈاکٹر موصوف نے "ناموس موسیٰ" سے مراد "توریت" کا پیغام لیا ہے اور لفظی توجیہ کی ہے۔ جبکہ محدثین اور مفسرین اس سے مراد فرشتہ لیتے ہیں جو وحی لے کر آیا۔

۹۔ صحیح بخاری کتاب ۶۵/ سورہ ۹۶ اور کتاب ۹۱/۱۔

۱۰۔ بلاذری' احمد بن یحییٰ : "انساب الاشراف" تحقیق ڈاکٹر محمد حمید

اللہ ' دار المعارف مصر' جلد ا' ص ۱۱۱۔

۱۱۔ منصور پوری' قاضی سلمان : رحمتہ للعالمین' شیخ غلام علی اینڈ سنز' جلد ا' ص ۵۰

۱۲۔ الطبری' ابی جعفر محمد بن جریر الطبری : (تاریخ الامم و الملوک' دار القلم بیروت ج ا' ص ۲۱۷

"سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں تینوں روایات' کتب سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ طبری نے تفصیل سے آپ کے ایمان لانے کے واقعات بیان کئے ہیں۔

۱۳۔ الشعراء ۲۶ : ۲۱۴

۱۴۔ الطبری' ج ا' ص ۴۱۷۔

۱۵۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل' ڈاکٹر موصوف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ مگر فن جرح و تعدیل کے ماہرین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بعض نے تو اسے موضوع حدیث کہا ہے۔ ملا علی قاری نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔

علماءامتی کانبیاءبنی اسرائیل' لا اصل له
قال الامیری العسقلانی' لا اصل له' وکذا
قال الزرکشی' وسکت عنه السیوطی

ملا علی قاری نور الدین علی بن محمد : موضوعات الکبریٰ' بیروت' ۱۹۷۱ء' ص ۲۴۷

البنانی محمد ناصر الدین البانی : الاحادیث الضعیفه و الموضوعته
المکتبہ الاثریتہ' سانگلا ہل' پاکستان' ج ا' ص ۴۸۰

۱۶۔ الحجر۔ ۱۵: ۹۴

۱۷۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن ابن کثیر: البدایہ و النہایہ، المکتبہ القدوسیہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ج ۳، ص ۳۸

۱۸۔ بلاذری: انساب الاشراف، ج ۱، ص ۱۳۱۔

۱۹۔ مقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع فیما للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الحفدۃ و المتاع مطبع قاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۳۸۶

۲۰۔ تاریخ الطبری، ج ۲، ص ۸۹، باب السنۃ السادسۃ
ڈاکٹر صاحب کی رائے میں یہ خط ہجرت حبشہ کے وقت دیا گیا اور طبری نے ۷ھ کے واقعات میں نقل کیا ہے۔ کیونکہ خط کے مندرجات میں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ جبکہ ۷ھ میں مہاجرین حبشہ سے واپس آ رہے تھے۔ اس وقت اس کی ضرورت نہ تھی۔

۲۱۔ السہیلی، ابی القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد: الروض الانف مکتبہ الکلیات الازہریہ، مصر (س ن) ج ۲، ص ۸۹

۲۲۔ السیرۃ النبویۃ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۵۹، ۳۶۰

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ہجرت حبشہ، ج ۲، ص ۳۲۵

۲۴۔ یہ باغ ابنائے ربیعہ: عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ عداس نامی ان کا عیسائی غلام ایمان لایا تھا۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۷۶

۲۵۔ ابن ہشام نے اس دعا کو بیان کیا ہے۔ ج ۲، ص ۲۹، ۳۰
اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین۔ انت رب المستضعفین و انت ربی۔ الی من تکلنی؟ الی بعید یتجھمنی، ام الی عدو ملکتہ امری؟ ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی۔ و لکن

عافیتک ھی او سع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات و صلح علیه امر الدنیا و الاخرة من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العقبی حتٰی ترضی و لا حول ولا قوة الا بک

۲۶۔ الجن

۲۷۔ مطعم بن عدی نے آپؐ کو پناہ دی۔ جبکہ اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو نے، پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ ابن ہشام، ۲/۳۱

۲۸۔ ابن ہشام، ج۱، ص۲۵۸

۲۹۔ ابن ہشام ۲/۳۷

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ابن ہشام، ۱/۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۶

حضرت اسعد بن زرارہ کو نقیب النقباء مقرر فرمایا۔

۳۲۔ حضرت سعد بن معاذؓ کا باغ تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر کی دعوت پر حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیر، ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے۔ ابن ہشام ۲/۴۵

۳۳۔ ابن جریر طبری: تاریخ الامم و الملوک، ۳/۴۰

۳۴۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوات ذات الرقاع۔

۳۵۔ المائدۃ: ۵: ۲۰ تا ۲۴

فاذھب انت و ربک فقاتلا۔ انا ھھنا قاعدون

۳۶۔ کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، کتاب متی باب نمبر ۱۴ آیت نمبر ۳۰، ۳۱

سینٹ پیٹر یا پطرس کے بارے میں انجیل کی کتاب متی میں یہ الفاظ کم و بیش بیان ہوئے ہیں۔ انجیل متی کی اصل عبارت کچھ یوں ہے:

"پطرس کشتی سے اتر کر یسوع کے پاس جانے کے لئے پانی پر چلنے لگا۔ مگر جب ہوا دیکھی تو ڈر گیا۔ اور جب ڈوبنے لگا تو چلا کر کہا اے خداوند مجھے بچا۔ یسوع نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا۔
"اے کم اعتقاد تو نے کیوں شک کیا۔"

۳۷۔ کتاب مقدس، کتاب متی، باب ۲۶، آیت ۲۰ تا ۲۳
انجیل متی میں ہے کہ:
"اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جن کا یہوداہ اسکریوتی تھا، سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے (عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے۔ انہوں نے اسے تیس (۳۰) روپے تول کر دے دیئے۔ اور وہ اس وقت انہیں پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔

۳۸۔ صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے صحابہ کرامؓ کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا مشکل ہے۔ روایات میں مندرجہ ذیل تعداد کا ذکر آیا ہے:
(۱) فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ شریک ہوئے۔
(بخاری، کتاب المغازی، باب فتح مکہ فی رمضان)
(۲) فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب مسلمان ہو گئے تو یہ تعداد بڑھ گئی، غزوہ حنین میں بارہ ہزار، غزوہ تبوک میں ۳۰ ہزار صحابہ شریک ہوئے۔
(ابن سعد/غزوہ تبوک)
(۳) حجتہ الوداع کے موقعہ پر ۴۰ ہزار صحابہ شریک ہوئے۔ (مقدمہ ابن الصلاح، باب۳۹، ص۱۵۱)
(۴) "اصابہ" کے مقدمہ میں ابو زرعہؒ کا قول ہے:

"توفی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و من راہ و سمع منہ' زیادۃ علی مائۃ الف انسان من رجل و امراۃ' کلھم قد روی عنہ سماعا" او روية

ابن حجر العسقلانی' الاصابۃ فی تمیز الصحابہ' مکتبہ الکلیات الازھریہ' مصر' مقدمہ ص ۴

۳۹۔ البقرہ: ۲: ۲۵۶

۴۰۔ الشوریٰ' ۴۲: ۴۸

۴۱۔ المائدۃ: ۵: ۴۷

۴۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی' دار الاشاعت کراچی' (س ن) ص ۱۶۲

۴۳۔ صحیح بخاری' کتاب الجنائز' باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ

۴۴۔ صحیح بخاری' کتاب الجنائز' باب من قام بجنازۃ یہودی' حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرت بہ جنازۃ فقام فقیل لہ انھا جنازۃ یہودی' فقال الست نفسا"